3

اپنے اندر ایسی تبدیلی پیدا کرو
کہ یہ مخالفت رحمت کا موجب بن جائے

(فرمودہ 23 فروری 1951ء بمقام ناصر آباد سندھ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''مجھے یہاں آ کر معلوم ہوا کہ آجکل گاڑیوں کا وقت تبدیل ہو گیا ہے اور اب جو احمد یہ اسٹیٹس کی طرف سے گاڑی آتی ہے وہ ایک بج کر پچیس منٹ پر کنجیجی پہنچتی ہے اور پھر اسٹیشن سے یہاں (ناصر آباد) تک پہنچنے میں بھی دیر لگتی ہے۔ اس لیے سمجھنا چاہیے کہ باہر سے آنے والے دوست دو بجے تک یہاں پہنچ سکتے ہیں سوائے اُن لوگوں کے جو پیدل چل کر اردگرد کے مقامات سے یہاں پہلے پہنچ جائیں۔ اور گو جمعہ کا مناسب وقت تو یہ ہوتا ہے کہ سوا ایک بجے شروع ہو اور دو بجے نماز ختم ہو جائے مگر اس مجبوری کی وجہ سے یہی فیصلہ کیا گیا ہے کہ ان لوگوں کا انتظار کر کے جو گاڑی کے ذریعہ آتے ہیں دو بجے جمعہ شروع کیا جائے۔ آج تو زیادہ دیر ہوگئی ہے اور اب پونے تین ہیں کیونکہ جو لوگ آئے تھے اُن کو پہلے کھانا کھلایا گیا اور اس وجہ سے نماز میں زیادہ دیر ہوگئی۔ غالباً یہاں ہمارے دو جمعے اَور ہوں گے۔ پس میں دوستوں کی اطلاع کے لیے یہ اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ آئندہ دو بجے جمعہ شروع ہوا

کرے گا تا کہ ڈیڑھ بجے والی گاڑی سے جو دوست آئیں وہ بھی جمعہ میں شریک ہوسکیں مگر گاڑی کے ذریعہ آنے والے مہمانوں کو کھانا جمعہ کے بعد ہی کھلایا جا سکے گا۔ آج بھی اس لیے دیر ہوگئی کہ تجویز یہ ہوئی تھی کہ جو دوست آئیں اُن کو کھانا پہلے کھلایا جائے۔ چنانچہ ان کا انتظار کرنے اور ان کو کھانا کھلانے کے بعد اب میں جمعہ کے لیے آیا ہوں۔

اس کے بعد میں دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ آجکل ہماری جماعت کی مخالفت بہت زیادہ ترقی کر چکی ہے۔ ایک خاصا گروہ مولویوں کا ایسا ہے جن کا کام سوائے اس کے اب کوئی نہیں رہا کہ وہ ہماری جماعت کے خلاف لوگوں میں جوش پھیلائیں اور اُن کو فتنہ وفساد پر آمادہ کریں۔ چنانچہ ہر دوسرے تیسرے دن کسی نہ کسی جگہ سے ان مولویوں کے جلسہ کی اطلاع آ جاتی ہے۔ جس گاڑی میں مَیں آ رہا تھا دوستوں نے بتایا کہ اسی گاڑی میں ہی مولوی عطاء اللہ صاحب بخاری سفر کر رہے تھے جو خان پور کے کسی مخالفانہ جلسہ میں شامل ہونے کے لیے آ رہے تھے۔ اور اس جلسہ کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ایک احمدی دوست سے وہاں کے بعض غیر احمدیوں نے باتیں شروع کر دیں۔ باتیں کرتے کرتے انہوں نے کہا کہ اگر آپ لوگ سچے ہوتے تو قادیان چھوڑ کر آپ کو کیوں باہر آنا پڑتا؟ اس سوال سے اُن کی غرض درحقیقت شرارت کرنا تھی اور وہ جماعت کے خلاف فساد پھیلانا چاہتے تھے مگر اُس احمدی دوست کا ذہن اِس طرف نہیں گیا اور اُس نے اپنی سادگی میں یہ جواب دے دیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو مکہ چھوڑ کر مدینہ تشریف لے گئے تھے۔ اِس پر انہوں نے فوراً شور مچا دیا کہ دیکھو! یہ احمدی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرتے ہیں۔ ہم اسے ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔ یہ لوگ اِس قابل ہی نہیں ہیں کہ ان کو زندہ رہنے دیا جائے۔ ان کو مار دینا چاہیے، ان کو قتل کر دینا چاہیے اور ان کی جماعت کو مٹا دینا چاہیے۔ غرض اِسی بات پر انہوں نے شورش برپا کر دی اور آخر جماعت کے خلاف ایک بڑا جلسہ کرنے کا فیصلہ کیا اور بڑے بڑے علماء کو بلوایا۔ مولوی عطاء اللہ صاحب اِسی جلسہ کے لیے خان پور جا رہے تھے۔ حالانکہ کسی شخص کو جھوٹا کہنا اور اس کے ثبوت میں ایک ایسی بات پیش کرنا جو سچوں کے ساتھ ہوتی چلی آئی ہے یہ اعتراض کرنے والوں کو خود جھوٹا ثابت کرتی ہے نہ کہ اس شخص کو جس پر اعتراض کیا جا رہا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ بار بار فرماتا ہے کہ دیکھو! تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ

کے صحابہؓ پر اعتراض کرتے ہو حالانکہ پہلے بھی ایسے نبی گزرے ہیں جن میں یہی باتیں پائی جاتیں تھیں۔1 پھر اگر تم ان کو سچا سمجھتے ہو تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تمہیں کیوں اعتراض سوجھتا ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے اُس زمانہ کے مولوی اِن مولویوں سے زیادہ شریف تھے کیونکہ وہ اِس جواب کو سن کر یہ شور نہیں مچاتے تھے کہ دیکھو انہوں نے نبیوں کی ہتک کر دی۔ یہ اپنی صداقت کے ثبوت میں پہلے نبیوں کی مثالیں پیش کر رہے ہیں۔ قرآن کریم میں صاف طور پر ذکر آتا ہے کہ مخالف یہ اعتراض کیا کرتے تھے کہ یہ کیسا نبی ہے۔ یہ تو عام انسانوں کی طرح کھاتا پیتا ہے2 اور قرآن کریم اِس کا یہ جواب دیتا ہے کہ پہلے نبی بھی کھاتے پیتے تھے اور پہلے نبیوں کے بھی بیوی بچے تھے۔ اِس پر مخالفین نے یہ نہیں کہا کہ تم ہمارے نبیوں کی ہتک کرتے ہو یا تم پہلے انبیاء کے دشمن ہو بلکہ انہوں نے سمجھا کہ جب اِن باتوں سے پہلے انبیاء کی نبوت کی نفی نہیں ہوتی تو اِس کی نبوت کی نفی کس طرح ہو سکتی ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ اِس وقت علماء کہلانے والے، مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہونے والے اور قرآن کریم کو پڑھنے والے اس اصول کو سمجھنے سے عاری ہیں اور جب ان کے سامنے پہلے نبیوں کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں تو وہ شور مچانے لگ جاتے ہیں کہ احمدی انبیاء کی ہتک کرتے ہیں۔ یہ بات بتاتی ہے کہ ان علماء کہلانے والوں میں اب ایسے لوگ پیدا ہو چکے ہیں جو قطعی طور پر دیانت اور انصاف کو بھول چکے ہیں اور وہ اُن علماء سے بھی بدتر ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء کے مخالف تھے کیونکہ جب اُن کے سامنے قرآن کریم نے یہ دلیل پیش کی کہ دیکھو یہ یہ بات تو پہلے نبیوں میں بھی پائی جاتی تھی تو انہوں نے شور نہیں مچایا کہ مسلمان پہلے انبیاء کی ہتک کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے آپ کو مانا یا نہیں مانا اِتنی بات تو بہرحال ثابت ہے کہ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ قرآن کریم نے پہلے نبیوں کی ہتک کی ہے۔ آخر جب کسی کی سچائی پر بحث کی جائے گی تو اُس کے ثبوت میں کسی سچے کی ہی مثال دی جائے گی جھوٹے کی نہیں۔ اور جب جھوٹ کی مثال دی جائے گی تو کسی جھوٹے کی ہی دی جائے گی سچے کی نہیں۔ مثلاً اگر کوئی مخالف اپنی صداقت کے ثبوت کے طور پر یہ کہتا ہے کہ اگر ہم جھوٹے ہوتے تو ہم پر آسمان کیوں نہ گرا؟ تو ہم اس کے جواب میں اُسے جھوٹوں کی ہی مثال دیں گے اور کہیں گے کہ شدّاد جھوٹا تھا کیا اُس پر آسمان گرا؟ نمرود جھوٹا تھا کیا اُس پر آسمان گرا؟ فرعون جھوٹا تھا کیا اس پر آسمان گرا؟ ابوجہل جھوٹا تھا کیا اُس پر آسمان گرا؟ اگر اُن پر آسمان نہیں گرا حالانکہ تم بھی تسلیم کرتے ہو

کہ وہ جھوٹے تھے تو تم پر آسمان کیوں گرتا؟ اِسی طرح اگر کسی کی صداقت کے ثبوت کے طور پر کوئی بات پیش کی جائے گی تو مثال کے طور پر وہی بات کسی سچے اور راستباز انسان میں بھی ہمیں ثابت کرنی پڑے گی۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ فلاں آدمی اپنے دعوٰی میں کس طرح سچا اور راستباز ہوسکتا ہے جبکہ وہ سارا دن مصلّٰی پر نہیں بیٹھا رہتا؟ تو ہم اسے جواب میں کہیں گے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اَور کون سچا ہوسکتا ہے مگر ہم تو دیکھتے ہیں کہ آپ بھی سارا دن مصلّٰی پر نہیں بیٹھے رہتے تھے بلکہ اَور بھی کئی کام کرتے تھے۔ آپ وعظ و نصیحت بھی کرتے تھے، آپ قضا کا کام بھی کرتے تھے، آپ لڑائیوں میں بھی جاتے تھے، آپ انتظامِ مملکت بھی کرتے تھے سارا دن آپ مصلّٰی پر نہیں بیٹھے رہتے تھے۔ غرض جب سچائی کی مثال دی جائے گی تو لازماً کسی سچے کا ذکر کیا جائے گا اور جب جھوٹ کی مثال دی جائے گی تو لازماً کسی جھوٹے کا ذکر کیا جائے گا۔ جب کوئی شخص یہ کہے گا کہ یہ سلسلہ کس طرح سچا ہو سکتا ہے اِس پر تو فلاں فلاں اعتراض عائد ہوتا ہے؟ تو اس کے جواب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ذکر آئے گا اور آپؐ کے صحابہؓ کا بھی ذکر آئے گا، حضرت عیسٰی علیہ السلام کا بھی ذکر آئے گا اور آپ کے حواریوں کا بھی ذکر آئے گا، حضرت موسٰی علیہ السلام کا بھی ذکر آئے گا اور آپ کے ساتھیوں کا بھی ذکر آئے گا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی ذکر آئے گا اور آپ کے ساتھیوں کا بھی ذکر آئے گا۔ غرض جو بھی سچا ہوگا اُس کا ذکر آئے گا۔ مثال کا تو قاعدہ ہی یہی ہے اور مثال تو دی ہی اُس گروہ میں سے جاتی ہے جس کے ساتھ اس کا تعلق ہوتا ہے۔

اگر ہجرت کرنا قابلِ اعتراض ہے اور اگر ہجرت کرنا اس بات کی علامت ہے کہ ہجرت کرنے والا جھوٹا ہوتا ہے تو اِن کو چاہیے کہ جن نبیوں کو وہ سچا مانتے ہیں اور جنہوں نے ہجرت کی اُن کو بھی احمدیوں کے لیے چھوڑ دیں اور اُن سے خود تعلق نہ رکھیں۔ اور اگر وہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہجرت کرنا قابلِ اعتراض نہیں تو پھر ان کا ہم پر ہجرت کے متعلق اعتراض کرنا نادانی نہیں تو اَور کیا ہے۔ قرآن کریم نے تو ہجرت کو نشان کے طور پر پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ ہجرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذلّت کا موجب نہیں بلکہ عزّت کا موجب ہے۔ انبیاء سابقین نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے متعلق خبریں دی ہوئی تھیں۔ اگر آپ ہجرت نہ کرتے اور لوگ پوچھتے کہ پیشگوئیوں میں تو یہ لکھا تھا کہ آنے والا موعود ہجرت کرے گا تو بتاؤ کہ اس نے کب ہجرت کی؟ تو ہم اس کا کیا جواب دیتے؟

یسعیاہ نبی نے ہزار بارہ سو سال پہلے خبر دیتے ہوئے بتایا تھا کہ عرب میں ایک نبی پیدا ہو گا جو دشمن کے ظلم سے تنگ آ کر بھاگے گا اور قوم اس کا تعاقب کرے گی۔ اگر آپؐ ہجرت نہ کرتے اور اگر لوگ آپؐ کا تعاقب نہ کرتے تو دشمن کہتا کہ تم یہ کہتے ہو کہ یہ وہ نبی ہے جو موعود ہے اور جو پہلے انبیاء کی پیشگوئیوں کے مطابق آیا ہے حالانکہ پہلے نبیوں نے جو پیشگوئیاں کی تھیں اُن میں سے ایک یہ بھی خبر تھی کہ وہ ہجرت کرے گا تو بتاؤ کہ اِس نبی نے کب ہجرت کی اور کہاں کی؟ ایسی صورت میں ہم کیا جواب دیتے اور دشمن کو کس طرح خاموش کرا سکتے؟ پس آپؐ کی ہجرت آپؐ کی عزّت کا ثبوت تھی، آپ کی ہجرت آپ کی سچائی کا ثبوت تھی اور آپ کی ہجرت آپ کے موعود ہونے کا ثبوت تھی۔ اسی طرح یہ ہجرت اگر کسی اَور نبی میں پائی جائے تو یہ اُس کے جھوٹا ہونے کی علامت نہیں ہو گی بلکہ اُس کے سچا ہونے کی علامت ہوگی۔ اور اِس بات کا ثبوت ہوگی کہ اُس کے لیے بھی خدا نے اس کی ہجرت کو ایک عزّت کا ذریعہ بنایا ہے اور اس کے لیے بھی خدا نے اس ہجرت کو بزرگی کے اظہار کا ایک ذریعہ بنایا ہے۔

اصل بات تو یہ ہے کہ انسان میں تقوٰی ہونا چاہیے اور اسے سوچنا چاہیے کہ جو بات وہ کہہ رہا ہے دلیل اس کی کس حد تک تائید کرتی ہے؟ اگر دلیل اُس کی تائید نہ کرتی ہو تو اُسے اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔ وہ غلط دلیل دیتا ہی کیوں ہے؟ اور اگر وہ غلط دلیل دے گا تو خواہ اسے بُرا لگے یا اچھا بہرحال جن لوگوں کی بزرگی کا وہ قائل ہے اُنہی نیک اور پاک اور بزرگ لوگوں کا اُسے حوالہ دینا پڑے گا تا کہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو۔ اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے قرآن کریم نے خود یہ طریق اختیار کیا ہے اور کئی جگہ دوسرے انبیاء کی مثال دے کر بتایا ہے کہ تمہارا اعتراض درست نہیں۔ اگر یہ قابلِ اعتراض چیز ہے تو اَور انبیاء میں بھی پائی جاتی ہے۔ اگر اِس وجہ سے تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے تو دوسرے انبیاء کو کیوں مانتے ہو؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ انسان اتنی بات بھی نہ سمجھ سکے کہ جس بات پر وہ اعتراض کر رہا ہے وہ ان لوگوں میں بھی پائی جاتی ہے جن کو وہ سچا سمجھ رہا ہے۔ پس رونے کا مقام یہ نہیں کہ ایک احمدی نے کیوں کہہ دیا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی بلکہ رونے کی بات تو یہ ہے کہ مسلمانوں کو اَب اتنا بھی معلوم نہیں کہ ہجرت کرنا کوئی بُری بات نہیں۔ نہ صرف یہ

کہ بُری بات نہیں بلکہ ہجرت انبیاء کی سچائی اور اُن کی راستبازی کا ثبوت قرار دی گئی ہے۔ وہ مسلمان کہلاتے ہیں مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے ہیں، تاریخیں پڑھتے ہیں جن میں ہجرت کا ذکر آتا ہے، حدیثیں پڑھتے ہیں جن میں ہجرت کا ذکر آتا ہے، قرآن پڑھتے ہیں جس میں ہجرت کا ذکر آتا ہے اور پھر ہجرت پر اعتراض کرتے ہیں۔ اِس سے زیادہ مسلمانوں کی بدبختی اَور کیا ہوگی کہ ایک چیز کو مان بھی رہے ہیں اور اس پر اعتراض بھی کر رہے ہیں۔ حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ اگر کسی ناواقف کے منہ سے اعتراض نکلتا بھی تو دوسرا مولوی اُسے نصیحت کرتا کہ تم کیا اعتراض کرتے ہو نبیوں کی ہجرت کرنا تو قرآن کریم اور حدیث سے ثابت ہے مگر کسی کو احساس نہیں کہ وہ دیانت سے کام لے اور اندھادھند اعتراض کرتے چلے جاتے ہیں۔ لوگوں کے اخلاق کا اِس قدر گر جانا بتاتا ہے کہ ان کی دشمنی اب کمال کو پہنچ چکی ہے۔ اور جب لوگوں کی دشمنی کمال کو پہنچ جائے تو ہمیشہ انسان کو فکر کرنا چاہیے۔ کیونکہ لوگوں کی دشمنی دو ہی وجہ سے اپنے کمال کو پہنچا کرتی ہے۔ یا تو اُس وقت دشمنی کمال کو پہنچتی ہے جب خدا تعالیٰ مومنوں کو کوئی فتح دینے لگتا ہے اور یا اُس وقت دشمنی کمال کو پہنچتی ہے جب خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی عذاب آنے والا ہوتا ہے۔ گویا یا تو دنیا کو نشان دکھانے کے لیے تمام لوگوں میں ایک جوش پیدا کر دیا جاتا ہے، وہ مخالفت کرتے اور اسے انتہا تک پہنچا دیتے ہیں۔ مگر پھر خدا تعالیٰ مخالفت کرنے والوں کو تباہ کر کے دنیا پر اپنا نشان ظاہر کرتا اور انہیں بتاتا ہے کہ دیکھو! انہوں نے اتنا جوش دکھایا، اتنی مخالفت کی، اتنا جتھا بنایا، اتنی تدابیر کیں مگر پھر بھی میں نے ان کو تباہ کر دیا اور مومن بچ گئے۔ مگر کبھی یہ مخالفت اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا دینے کے لیے پیدا کی جاتی ہے۔ لوگوں میں جوش پیدا ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ اس قدر غلبہ حاصل کر لیتے ہیں کہ دوسرے فریق کو تباہ کر دیتے ہیں۔ پس جب بھی دشمنی انتہا کو پہنچ جائے انسان کو اپنے نفس پر غور کرنا چاہیے کہ آیا وہ ایسے مقام پر پہنچ چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے غیرت دکھائے اور اس کے دشمن کو تباہ کر دے؟ آیا اِس کے اندر اِس قدر نیکی پائی جاتی ہے، اِس قدر سچائی پائی جاتی ہے، اِس قدر خدا تعالیٰ کی محبت پائی جاتی ہے، اِس قدر ذکرِ الٰہی کی عادت پائی جاتی ہے، اِس قدر قُربانی پائی جاتی ہے، اِس قدر عبادت پائی جاتی ہے کہ یہ سب کچھ اس لیے ہو رہا ہو کہ خدا تعالیٰ اُس کے لیے دنیا کو کوئی نشان دکھانا چاہتا ہے؟ اگر ایسا ہو تو یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔ لیکن اگر یہ نظر آتا ہو کہ ہم میں کمزوریاں پائی جاتی ہیں، ہم نمازوں میں بھی سُست ہیں، ہم سچ پر بھی پوری طرح

قائم نہیں، ہم ظلم سے بھی دریغ نہیں کرتے، ہم دھوکا اور فریب سے بھی کام لے لیتے ہیں تو ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کے لیے کوئی نشان نہیں دکھایا کرتا۔ یہ مخالفت شاید ہمیں سزا دینے کے لیے پیدا کی جارہی ہے۔

پس جماعت کے لیے یہ ایک بڑا لمحہ فکریہ ہے۔ ہم میں سے ہر شخص کو سوچنا چاہیے اور بار بار سوچنا چاہیے کہ ہماری عملی حالت کیا ہے اور یہ مخالفت کیوں انتہا کو پہنچ رہی ہے۔ آخر آدمیوں سے ہی قوم بنتی ہے۔ بیشک زید قوم نہیں، بکر قوم نہیں، عمر قوم نہیں مگر زید، بکر اور عمر مل کر قوم ہیں۔ الگ الگ دیکھا جائے تو ہر شخص ایک فرد کی حیثیت رکھتا ہے لیکن انہی افراد کے مجموعہ کا نام قوم ہو جاتا ہے۔ پس ہم میں سے ہر شخص کو اس مخالفت کو دیکھتے ہوئے یہ سوچنا چاہیے کہ کیا اس میں وہ تقوٰی پایا جاتا ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رکھتا ہے؟ کیا اس میں کامل سچائی پائی جاتی ہے؟ کیا وہ فریب تو نہیں کرتا؟ کیا وہ دھوکا بازی سے تو کام نہیں لیتا؟ کیا وہ نمازوں کا پابند ہے؟ کیا وہ انصاف سے کام لیتا ہے؟ کیا وہ خدا تعالیٰ سے سچی محبت رکھتا ہے؟ کیا وہ اسلام کے لیے ہر قسم کی قُربانی کرنے کے لیے تیار ہے؟ کیا وہ بنی نوع انسان کا ہمدرد ہے؟ اگر یہ تمام باتیں اس میں پائی جاتی ہیں تو اُسے سمجھ لینا چاہیے کہ اِس مخالفت کے ذریعہ خدا تعالیٰ اسے مارنے نہیں لگا کیونکہ اُس نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جو خدا تعالیٰ کو ناراض کرنے والا ہو۔ لیکن اگر افرادِ قوم میں کثرت ایسے لوگوں کی ہو جو یہ کہیں کہ ہم میں یہ باتیں نہیں پائی جاتیں، نہ ہمارے دلوں میں خدا تعالیٰ کی سچی محبت پائی جاتی ہے، نہ ہم اس کے لیے قربانی کرتے ہیں، نہ ہمارے اندر دین کی خدمت کا کوئی جوش پایا جاتا ہے، نہ ہم نمازوں کے پابند ہیں، نہ ذکرِ الٰہی کے عادی ہیں، نہ جھوٹ اور فریب سے بچتے ہیں، نہ ظلم اور فساد سے پرہیز کرتے ہیں، نہ اخلاق کے معیار پر پورے اُترتے ہیں تو پھر انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ یہ مخالفت کسی نشان کے ظہور کا پیش خیمہ نہیں ہوسکتی۔ یہ انہیں گناہوں کی سزا دینے کے لیے پیدا کی جارہی ہے۔ اِس صورت میں انہیں بہت زیادہ فکر کرنا چاہیے اور اپنی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے۔ عام حالات میں انسان کا غافل رہنا بعض دفعہ قابلِ معافی بھی ہو جاتا ہے لیکن اگر سامان ایسے ظاہر ہو رہے ہوں جن سے یہ خطرہ ہو کہ یہ سامان شاید ہماری سزا کے لیے پیدا کیے جارہے ہیں تو اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص اپنی اصلاح نہیں کرتا تو اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے خاندان اور اپنی قوم کو تباہ کرتا ہے۔

پس یہ معمولی حالات نہیں۔ جماعت کو اپنے اندر بیداری پیدا کرنی چاہیے اور اپنی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے تا کہ اگر کچھ لوگوں کے اعمال کی وجہ سے یہ سزا کا سامان بھی ہو تب بھی وہ اپنے اندر ایسی تبدیلی پیدا کرلیں کہ یہ عذاب رحمت کا موجب بن جائے۔ جیسے یوناہ نبی کے زمانہ میں ہوا کہ خدا تعالیٰ نے یوناہ نبی کی قوم پر اپنا عذاب نازل کرنا چاہا مگر جب اُس قوم نے اپنی اصلاح کی اور توبہ اور گریہ و زاری سے کام لیا تو وہی عذاب اُس کے لیے رحمت بن گیا3۔ پس ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ عذاب آتے ہیں مگر وہ انسانوں کے لیے رحمت بن جاتے ہیں۔ اسی لیے میں نے یہ تحریک کی ہے کہ اِن دنوں اپنی کامیابی اور دشمن کی ناکامی کے لیے متواتر دعائیں کی جائیں اور ہر پیر کے دن روزہ رکھا جائے تا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اگر کوئی خرابی یا نقصان اِس وقت ہمارے لیے مقدّر ہو تب بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو بدل دے، ہمیں طاقت اور غلبہ عطا فرمائے اور ہمارے دشمنوں کو اُن کی کوششوں میں ناکام بنادے"۔ (الفضل 4 مارچ 1951ء)

1: مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ
(حٰمٓ السجدہ: 44)

2: وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ
(الفرقان: 21)

3: یوناہ باب 3 آیت 1 تا 10